صدارتی خطبات

ڈاکٹر رفیق احمد*

میرے خیال میں ڈاکٹر ہوف مین نے اپنے خطاب میں پروفیسر ہنٹنگٹن سے متعلق کچھ غلط تصورات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ میں نے بھی پروفیسر ہنٹنگٹن کی کئی کتب کا مطالعہ کیا ہے لیکن شائد میں اس بحث میں ہونے والی تازہ پیش رفت سے آگاہ نہیں تھا۔ ان کا یہ کہنا درست ہے کہ ہنٹنگٹن کے نظریے کو درست طور پر سمجھا نہیں گیا۔ مثال کے طور پر خود امریکہ میں ان کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ امریکہ کو کثیر الثقافتی معاشرہ بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جب کہ دوسری طرف وہ تسلیم کرتا ہے کہ امریکہ ایک کثیر الثقافتی معاشرہ ہے اور یہ کہ جدید سیاست میں ثقافت کا عنصر بڑا اہم ہے جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا تو امریکہ کے کثیر الثقافتی پہلوؤں کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ میرے خیال میں یہ ان پر ایک بنیادی اعتراض ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب میں انہوں نے اسلام کے تعلق سے درپیش خطرات سے نمٹنے کے لیے بحرالکاہل سے پار ثقافتی شناخت کے بارے میں حکمت عملی وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں اس حد تک تو ڈاکٹر مراد ہوف مین سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسے ''سازش'' نہیں کہنا چاہیے تاہم یہ بات ان کے ذہن میں ضرور ہے کہ مغربی تہذیب کے زوال کو روکنے کے لیے لازماً کچھ اقدامات کرنے چاہئیں۔ اور ایسا اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے اگر امریکہ اور یورپ کے معاشروں کے درمیان تہذیبی و ثقافتی سطحوں پر تعلقات استوار کیے جائیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان مسائل سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی تیار کی ہے۔ مجھے کئی امریکی پالیسی سازوں سے

* پنجاب یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر رفیق احمد نے یہ خطبہ لاہور میں ڈاکٹر مراد ہوف مین کے لیکچر ''تہذیبوں کا تصادم اکیسویں صدی میں'' کی صدارت کرتے ہوئے دیا۔

مختلف کانفرنسوں میں ملنے کا موقع ملا ہے۔ان میں سے بہت سے ہنٹنگٹن کے فلسفے سے متفق نہیں تھے اور صدر کلنٹن نے بھی برسرعام اس کی مخالفت کی تھی۔لیکن ان پالیسی سازوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو نہ صرف ہنٹنگٹن کے نظریے سے متفق تھے بلکہ ہنٹنگٹن کے زیراثر اپنی پالیسیاں اور حکمت عملی ترتیب دیتے ہیں۔یہ میری مختصر معروضات ہنٹنگٹن کے بارے میں تھیں۔ایک ہلکا پھلکا تبصرہ میں ثقافت (کلچر) کے بارے میں کرنا چاہتا ہوں۔آپ [مراد ہوف مین] نے ثقافت کے تصور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔میں حاضرین کی یادداشت کے لیے پکتھال کی ایک کتاب کا ذکر کر رہا ہوں جس کا نام ہے ''مسلمانوں کی ثقافت*''۔اس کتاب میں ایک مثال ایک ہی معاملے پر مغربی مادی طرزِ عمل اور اسلامی اخلاقی طرزِ عمل کی دی گئی ہے۔

ایک بار ڈیلی ٹیلی گراف نے عوام سے ایک سوال پوچھا تھا کہ اگر کسی عمارت میں آگ لگ جائے۔اس عمارت کے اوپر والے حصے میں نادر آرٹ کا ایک نمونہ موجود ہو اور ایک بچہ بھی موجود ہو تو وہ ان میں سے کس کو بچانے کی کوشش کریں گے؟ اس کے جواب میں ۹۷ فی صد برطانوی عوام نے کہا تھا کہ وہ آرٹ کے نادر نمونے کو بچائیں گے۔مصنف نے لکھا کہ اگر یہی سوال کسی مسلمان معاشرے میں مسلمان عوام سے پوچھا جاتا تو ۱۰۰ فی صد عوام بچے کو بچانے کو ترجیح دیتے۔یہ ہے مغرب اور اسلام کی تہذیب و ثقافت کا فرق۔

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تصادم چاہے تہذیبوں کی بنیاد پر پیش آئے یا غیر تہذیبی سیاسی بنیاد پر بہر حال تصادم کا حقیقی خطرہ موجود ہے اور اتنا ہی اس سے بچنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور ایسا مکالمے، مذاکرے اور اسی طرح کے سیمیناروں کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے جس کا آج انعقاد کیا گیا ہے۔جن میں مختلف ثقافتوں سے نمائندہ لوگوں کو بلایا جائے اور جو اپنے خیالات کا اظہار کریں اور سب کو تبادلہ خیال کا موقع میسر آئے۔یہی وجہ ہے کہ میں اس خرم مراد میموریل

---

*Pickthall, Muhammad Marmaduke, *The Culture Side of Islam (Islamic Culture)*, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore 1969.

لیکچرز کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی اس کوشش کو سراہتا ہوں۔ اگر ہم دنیا کا مشاہدہ مجموعی طور پر کریں کہ اس کے مختلف حصوں میں کیا کیا ہو رہا ہے۔ مشرق میں یا مغرب میں، شمال میں یا جنوب میں، تو ایسا نظر آتا ہے جیسے سب کسی چیز کے منتظر ہیں۔ ساری انسانیت کو کسی چیز کا انتظار ہے۔ وہ چیز کیا ہے؟

۱۔ انسانیت ایک ایسی کثیر الثقافتی دنیا کا انتظار کر رہی ہے جس کی بنیاد جیو اور جینے دو کے اصول پر ہے۔ (یہی وہ اصول ہے جسے اپنی خارجہ پالیسی بناتے ہوئے قائداعظمؒ نے بھی اپنانے کی کوشش کی تھی)

۲۔ دنیا کی اقتصادی پالیسی استحصالی تاجرانہ اور صنعتی حربوں سے آزاد اور مبرّا ہونی چاہیے۔ (ہم نے آج اقتصادی پالیسیوں پر بات نہیں کی اگرچہ پروفیسر ہنٹنگٹن نے کلچر کے ساتھ اسے ثانوی حیثیت دی ہے لیکن انہوں نے اقتصادی پالیسی پر اہم نکات بیان کیے ہیں)

۳۔ سیاسی دنیا کو تمام آبادیوں کے حق خودارادیت کا احترام کرنا چاہیے اور باہمی اختلافات کو بات چیت اور مذاکرات کے ذریعے نمٹانا چاہیے۔

آخر میں اس چیز کی بھی ضرورت ہے کہ اسلام کے بارے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں چاہے جان بوجھ کر پھیلائے گئے ہیں یا غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں، ان کو درست ہونا چاہیے۔

ایک غلط تصور یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام پرتشدد اور بنیاد پرست ہے اور دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ کچھ غلط فہمیاں خواتین کے حقوق اور معاشرے کے حوالے سے پائی جاتی ہیں۔ اور بھی بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ بلکہ غلط فہمیوں کی ایک لمبی فہرست ہے جسے یہاں دہرایا جا سکتا ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی جائے۔ اور سب سے زیادہ ذمہ داری ہم (مسلمانوں) پر عائد ہوتی ہے۔ بلکہ مسلم دنیا میں تاریخی طور پر بھی اور جدید دنیا میں بھی بہت سی برائیوں کے پھیلنے کے ہم خود ذمہ دار